(10)

اس بات کو مدِ نظر رکھو کہ تم نے بے مرکز کبھی نہیں رہنا

(فرمودہ 15/اپریل 1949ء بمقام ربوہ)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''جیسا کہ میں نے احباب سے دعا کے وقت کہا تھا یہ جلسہ ہمارے لیے نہایت ہی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ہم ربوہ کو تفاؤل کے طور پر اپنا نیا مرکز قرار دے رہے ہیں۔ یوں بھی جن جگہوں کو ذکرِ الٰہی کے لیے چُنا جاتا ہے اُن میں لغو باتیں کرنا منع ہوتی ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مساجد کے متعلق جہاں لوگ جمع ہوتے اور ذکرِ الٰہی کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ وہاں دنیاوی باتیں نہیں کرنی چاہییں۔ احادیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی گُم شُدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرتا ہے خدا تعالیٰ اُس کے مال میں برکت نہ دے۔1 گویا مسجد میں اپنی گُم شُدہ اشیاء کا اعلان کرنا منع ہے۔

پس اگر مساجد جو صرف ایک محلّہ سے تعلق رکھتی ہیں یا صرف ایک قصبہ سے تعلق رکھتی ہیں یا صرف ایک شہر سے تعلق رکھتی ہیں اُن کا احترام اتنا ضروری ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مساجد میں گُم شُدہ اشیاء کا اعلان نہیں کرنا چاہیے تو وہ مقام جس کو ایک بڑے بھاری علاقہ کے لیے بلکہ ایک محدود وقت کے لیے ساری دُنیا کا مرکز بنایا جا رہا ہے اُس میں کس قدر زیادہ ذکرِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ چاہیے کہ وہ احباب جو جلسہ پر یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں ذکرِ الٰہی

کی طرف توجہ کریں اور اپنی مجالس میں لغو باتیں نہ کریں۔ یہ معمولی بات نہیں۔ جب میں آپ کو یہ نصیحت کر رہا ہوں تو میں ننانوے فیصدی یہ سمجھ رہا ہوں کہ میری یہ نصیحت بے کار جائے گی۔ کیونکہ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ آپ لوگوں میں سے ننانوے فیصدی لوگوں کے لیے یہ کام کرنا مشکل ہے۔ میں اپنے گھر میں اسی قسم کی کئی ایک نصیحتیں کرتا رہتا ہوں۔ مگر بچے آہاہُو ہُو اور دوسری باتوں میں لگ جاتے ہیں۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے انہیں ایک نصیحت کرتا ہوں اور پھر وہ اسے بھول جاتے ہیں حالانکہ انسانی دماغ کی طاقت اور قوت، فکر سے پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ ذکر و فکر کے عادی ہوتے ہیں اُن کے دماغ میں روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اہم باتوں کے سوچنے اور اُن سے نتائج اخذ کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ کم از کم کچھ دن تو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور ان دنوں میں لغو باتیں چھوڑ دینی چاہییں۔ شریعت نے یہ دیکھتے ہوئے کہ انسان روزانہ بھوکا نہیں رہ سکتا سال میں ایک مہینہ روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ انسان ہر وقت خاموش نہیں رہ سکتا نماز کے وقت مسلمانوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ انسان ساری ساری رات نہیں جاگ سکتا رات کو تہجد کے لیے جاگنے کا حکم دیا ہے۔ صوفیاء نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دماغ کے جِلا اور روشنی کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے کم خفتن و کم گفتن و کم خوردن۔ مومن کو چاہیے کہ وہ تھوڑا سوئے، تھوڑی باتیں کرے اور تھوڑا کھائے۔ ان باتوں کے نتیجہ میں روحانیت جِلا پاتی ہے اور جن لوگوں میں اس کی عادت پیدا ہو جاتی ہے اُن کا دماغ روشن ہو جاتا ہے، ان کی روحانیت جِلا پا جاتی ہے اور وہ اہم باتوں کے سوچنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انسان ان باتوں کو ہر وقت کرنے لگ پڑے۔ ان باتوں کی بہت کثرت بھی بُری ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی آدمی بالکل ہی سونا ترک کر دے، باتیں کرنا چھوڑ دے اور کھانا کھانا بند کر دے تو یہ باتیں بجائے مفید ہونے کے مُضِر ثابت ہوں گی اور بجائے اس کے کہ ان سے کوئی مفید نتیجہ نکلے وہ اس کے لیے عذاب کی صورت اختیار کر جائیں گی۔ لیکن جہاں تک ان کو ضبط میں رکھا جا سکتا ہے، جہاں تک ان کو ایک حد میں رکھا جا سکتا ہے، جہاں تک ان کو ایک دائرہ کے اندر رکھا جا سکتا ہے یہ روح کے اندر جِلا اور روشنی پیدا کرتی ہیں۔ اور تھوڑا بہت بھی اگر ذکرِ الٰہی کر لیا جائے تو وہ خدا تعالیٰ کے وصال اور اس کے فرشتوں سے ملاقات کا موقع بہم پہنچاتا ہے۔ پس تم اپنے اندر ان کی عادت

پیدا کرو اور جلسہ کے ایام اور خصوصاً ان ایام میں دعائیں کرتے رہو۔ ہمارے پہلے مرکز سے پیر اُکھڑ گئے ہیں اور ہم نے ربوہ کو اپنا نیا مرکز مقرر کیا ہے تا یہاں بیٹھ کر ہم اسلام کی خدمت کر سکیں۔ پس یہاں خدا تعالیٰ کی باتیں کرو۔ قرآن کریم کی باتیں کرو۔ حدیث کی باتیں کرو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کرو۔ آپ کے صحابہؓ کی باتیں کرو۔ اولیاء اللہ کی باتیں کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باتیں کرو۔ دینی مسائل پر گفتگو کرو اور باقی لغو باتوں کو چھوڑ دو۔ سوائے اس کے کہ کوئی مجبوری کی حالت ہو یا ضروریاتِ زندگی کو جو خدا تعالیٰ نے انسان کے ساتھ لگائی ہیں پورا کیا جائے مگر زیادہ وقت دوسری باتوں میں صَرف نہیں کرنا چاہیے۔

میں نے دوستوں کو یہ بھی ایک نکتہ بتایا ہوا ہے کہ سارے کے سارے لوگ لغو باتوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لیکن کچھ لوگ جو خود لغو باتوں سے بکلّی اجتناب کریں اگر دوسرے لوگوں کو جو لغو باتوں میں مشغول ہوں خاموش کرانے لگ جائیں تو اس سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی جگہ کچھ لوگ دنیاوی باتوں میں مشغول ہوں اور اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے ہوں تو کوئی ایک شخص کھڑا ہو جائے جو اُن کو اُکسائے نہیں، اُنہیں جوش نہ دلوائے، ان پر طنز نہ کرے بلکہ کہے آؤ! ہم کوئی دین کی بات کریں اور اس طرح وہ کوئی اَور بات کرنی شروع کر دے۔ مثلاً اگر وہ پرانا صحابی ہو تو وہ کہے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باتیں یاد ہیں۔ آؤ! میں تمہیں سناؤں۔ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض حدیثیں اسے یاد ہوں یا اسے قرآن کریم کی کسی حد تک مہارت حاصل ہو تو وہ کچھ باتیں کر کے انہیں چپ کرا دے۔ اس طرح یہ عادت مستقل ہو جائے گی۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اس کے لیے بہت بڑی ہمت درکار ہے لیکن اگر کوئی اس کی پروا نہیں کرے گا اور اصرار کرے گا کہ دوسرے لوگ اس سے دینی باتیں سُنیں تو لوگوں کی عادتیں درست ہو جائیں گی۔ باقی ایام میں بے شک بعض مشکلات پیش آ جاتی ہیں اور انسان کو دوسرے دنیاوی کام بھی سرانجام دینے پڑتے ہیں یا ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ خاص اغراض کے لیے ملنے کے لیے آ جاتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ اقتصادیات سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ یہ باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ پاکستان کی اقتصادی حالت کیسے درست ہو سکتی ہے؟ یا سائنس سے تعلق رکھنے والے لوگ آ جاتے ہیں اور وہ پاکستان کی علمی حالت پر بحث کرنے لگ جاتے ہیں۔ یا تاجر ہوتے ہیں اور وہ تجارت کے متعلق

مشورہ کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں تجارت کو ترقی کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟ یا بعض لوگ زراعت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں آیئے اور ہمیں مشورہ دیجیے کہ پاکستان میں زراعت کو کس طرح اعلیٰ پیمانہ پر لے جایا جاسکتا ہے۔اور ہمیں یہ باتیں کرنی پڑتی ہیں لیکن ہمیں اپنے کچھ اوقات تو ذکرِ الٰہی کے لیے مخصوص کر لینے چاہییں اور اپنے سارے وقت دوسروں کو نہیں دے دینے چاہییں۔

اس کے بعد میں احباب کو اس مضمون کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس کی طرف میں نے جماعت کو لاہور میں توجہ دلائی تھی۔مگر اُس جلسہ میں لوگ بہت تھوڑے تھے۔ یہی آٹھ نوسو کے قریب لوگ جمع تھے۔لیکن آج میں سمجھتا ہوں کہ چودہ پندرہ ہزار کے قریب مجمع ہو گیا ہوگا۔ ابھی تک کھانے کی رپورٹ میرے پاس نہیں آئی۔لیکن قادیان میں جتنا بڑا جلسہ گاہ بنایا تھا اُس کا اگر اندازہ لگایا جائے تو اِس جلسہ پر آنے والوں کی تعداد چودہ پندرہ ہزار کی ہے۔کچھ تو یہ دن ہی ایسے تھے کہ لوگ فصلوں کو چھوڑ کر نہیں آسکتے تھے کیونکہ یہ کٹائی کا وقت ہے اور فصلوں کو چھوڑ کر چلا آنا زمینداروں کے لیے ایک مشکل امر ہے اور کٹائی میں دیر لگانا بھی مشکل ہے۔ کٹائی میں دیر لگ جائے تو غلہ گر جاتا ہے اور زمینداروں کے حصہ میں غلہ کی بہت کم مقدار آتی ہے۔ان مشکلات کی وجہ سے اس جلسہ پر زمیندار لوگ نہیں آسکے۔ پھر اس جلسہ پر لوگوں کے کم آنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ملازمت پیشہ لوگوں کی چُھٹی بہت کم تھی۔پھر سارے لوگ مستعد بھی نہیں ہوتے۔بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اگر کچھ آرام ملے تو وہاں جائیں لیکن اس دفعہ چونکہ کھلے بندوں یہ کہہ دیا گیا تھا کہ نئے انتظامات اور نئی جگہ کے ہونے کی وجہ سے روٹی اور پانی کی تکلیف ہوگی اس لیے جلسہ پر جماعت کا ایسا حصہ بھی نہیں آسکا جنہیں اگر آرام ملے تو جلسہ پر آتے ہیں ورنہ وہ نہیں آتے۔ قادیان میں یہ صورت تھی کہ تیرہ چودہ ہزار احمدی وہاں کے مقامی باشندے تھے اور آٹھ دس ہزار قادیان کے دس میل اردگرد کے علاقہ کے احمدی تھے اور جماعت کا یہ سارے کا سارا حصہ جلسہ کے موقع پر اکٹھا ہو جاتا تھا۔اس کے معنے یہ ہیں کہ قادیان میں جلسہ کے موقع پر بیس ہزار کے قریب وہاں کی لوکل آبادی ہو جاتی تھی اور باہر سے بھی تیس ہزار کے قریب احمدی آجاتے تھے۔ اب صورت یہ ہے کہ یہاں کی لوکل آبادی ہے ہی نہیں۔ یہاں جو لوگ رہ رہے ہیں ان کی تعداد

عورت اور بچے سب ملا کر ایک سَو ہوگی''۔
اس موقع پر حضور نے فرمایا:
''کھانے کی رپورٹ بھی آ گئی ہے خوراک کی پرچی سے معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ پر جو دوست آئے ہیں اُن کی تعداد چودہ ہزار کے قریب ہے اور یہی میرا اندازہ تھا۔ میں نے دونوں جلسہ گاہوں کا اندازہ لگا کر یہ بتایا تھا۔

بہرحال ان تکالیف کی وجہ سے اکثر احباب جلسہ پر نہیں آئے یعنی کچھ لوگ تو چھٹیوں کی وجہ سے نہیں آئے چھٹیاں بہت کم تھیں اور کچھ موسم ہی ایسا تھا۔ کچھ نئی جگہ تھی اور یہاں کوئی آرام میسر نہیں تھا۔ بیس ہزار کی تو قادیان کی آبادی چلی گئی باقی تیس ہزار رہ گیا جن میں سے پندرہ ہزار سے کچھ اوپر یعنی نصف کے قریب آ گیا ہے۔ پھر ابھی یہ پہلا دن ہے اور بالعموم ہمارے دوسرے دن کے جلسہ کے دوسرے حصہ میں ہی آدمی زیادہ ہوتے ہیں اور اس میں ابھی چوبیس گھنٹے باقی ہیں۔ اگر دوسرے دن کے آنے والوں کی تعداد بھی اس رنگ میں ہوئی جس طرح قادیان میں ہوتی تھی تو اس جلسہ پر آنے والوں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ جائے گی☆ پھر ہندوستان سے بھی پرمٹ نہیں مل سکے۔ وہاں سے بھی سینکڑوں ہزاروں آدمی جلسہ پر آ جاتے تھے لیکن اس دفعہ صرف ایک درجن کے قریب دوست آئے ہیں۔ ہندوستان یونین کی حکومت بھی اس دفعہ پرمٹ نہیں دے رہی۔

غرض ان حالات میں اس دفعہ آدمی بہت کم آئے ہیں مگر بہرحال یہ تعداد لاہور کے جلسہ سے بہت زیادہ ہے جس میں مہمانوں کی تعداد کوئی بارہ تیرہ سو تھی۔ اس لیے میں جماعت کے دوستوں کو پھر اُن باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ انہیں چاہیے کہ وہ واپس جا کر جماعت کے دوسرے دوستوں کو یہ باتیں بتائیں۔

خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو انسان بنایا ہے اور انسان کے کام اس کے عزم اور ارادے جانوروں سے زیادہ ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک جانور کا ذکر کیا ہے بلکہ ایک کیڑے کا ذکر کیا ہے۔ گو کیڑا بھی جانوروں میں شامل ہے لیکن بالعموم جب جانور کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد قدآور چیز ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک پروانے کیڑے کا جس کو مکھی

☆ دوسرے تیسرے دن کوئی سترہ ہزار تک تعداد ہوگئی تھی۔

کہتے ہیں ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو شہد کی مکھی کی طرف توجہ دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم شہد کی مکھیوں کو دیکھو یہ جانوروں میں سے بھی اعلیٰ قسم کا جانور نہیں بلکہ ایک ادنیٰ قسم کا کیڑا ہے۔ مومنوں کے مقام تو بہت اونچے ہوتے ہیں یہ چھوٹا سا جانور ہے لیکن اس کا جو چھوٹا سا مقام خدا تعالیٰ نے بتایا ہے اس سے تم سبق حاصل کرو۔ خدا تعالیٰ نے اس کیڑے کا ذکر بلاوجہ نہیں کیا۔ آخر مسلمانوں پر ایسے حالات آنے والے تھے کہ ان کے لیے مکھی والی کیفیت اپنے اندر پیدا کرنی ضروری تھی۔ شہد کی مکھی میں یہ خصوصیت ہے کہ جب اس کے چھتّے میں شہد پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی شخص اس چھتّا سے شہد نکالنا شروع کرتا ہے تو جو لوگ اس فن کے ماہر ہیں اور جنہوں نے شہد کی مکھی کی تاریخ اور حالات کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جونہی وہ شخص شہد کے چھتّوں پر ہاتھ ڈالتا ہے اُسی وقت نوجوان مکھیوں کی ایک پارٹی ایک شہزادی کو لے کر وہاں سے اُڑ جاتی ہے تا دوسرا مرکز تلاش کرے۔ اور ابھی شہد اُس چھتّا سے نکالا نہیں جاتا، ابھی شہد اُس چھتّا سے علیحدہ نہیں کیا جاتا کہ دوسرے مرکز کی تلاش میں چلی جاتی ہیں۔ اور ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرتے یا بعض اوقات زیادہ سے زیادہ اڑتالیس گھنٹے بھی نہیں گزرتے کہ وہ دوسری جگہ پر چھتّا بنانا شروع کر دیتی ہیں۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مکھیاں ہمیشہ ایک ملکہ کے ماتحت رہتی ہیں اور جب کوئی شخص شہد نکالنا چاہتا ہے تو وہ ملکہ کی لڑکی یعنی کسی شہزادی کے ماتحت اُڑ کر دوسری جگہ چلی جاتی ہیں۔ گویا شہد کی مکھیوں میں بھی باقاعدہ حکومت کا طریق ہوتا ہے۔ مکھیوں میں سے ایک پارٹی کسی ایک شہزادی کے ماتحت اُڑ کر کسی دوسری جگہ پر چلی جاتی ہیں اور وہاں چھتّا بنانا شروع کر دیتی ہیں۔ آخر کتنے چھتّے ہیں جن کا شہد کھانے کا مکھیوں کو موقع ملا ہو۔ آبادی کے قریب کے چھتّوں میں سے تو کوئی ہزاروں میں سے ایک چھتّا ہوگا جن کو خود مکھیاں کھاتی ہوں گی۔ لیکن باوجود اس کے کہ مکھی جانتی ہے کہ ننانوے فیصدی امکان یہی ہے کہ یہ شہد میرے پاس نہیں رہے گا مکھی اپنے اس جذبہ کو نہیں دبا سکتی کہ اسے اپنی زندگی کے لیے کسی ایک مرکز کی ضرورت ہے۔ کسی مرکز کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ باوجود اس کے کہ اس کا مرکز ٹوٹتا رہتا ہے، باوجود اس کے کہ وہ اپنا مرکز ٹوٹتا ہوا بار بار دیکھتی ہے، باوجود اس کے کہ اس کی نسل بھی جانتی ہے کہ اس کے ساتھ بھی یہی گزرے گی وہ ہمت نہیں ہارتی اور ایک نئے ارادہ کو لے کر کھڑی ہو جاتی ہے اور ایک نیا مرکز بنا لیتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے سورۃ نحل میں اسی مکھی کا

حوالہ دے کر مسلمانوں کو بتایا ہے کہ اے مسلمانو! یادرکھو تم کہیں یہ حماقت نہ کر لینا کہ ایک دفعہ مرکز سے نکل کر مرکز سے بے نیاز ہو جاؤ۔ تم بغیر مرکز کے مت رہنا۔ مکھی کتنی کم ترین اور ادنیٰ چیز ہے۔ یہ محض ایک بے عقل جانور ہے مگر باوجود اس کے کہ وہ ایک معمولی کیڑا ہے وہ مرکز کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ اگر انسان جس کی حالت بہت اعلیٰ درجہ کی ہے ایک بہت بڑی مصیبت کے بعد بغیر مرکز کے رہنے پر راضی ہو جائے تو وہ کتنا کمینہ ہے، وہ کتنا رذیل ہے، وہ کتنا خدا تعالیٰ کو بُھلا نے والا ہے اور اس سے زیادہ ذلیل چیز دنیا میں اَور کیا ہوگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھو کہ جب تک آپ کو ایک دوسرا مرکز نہیں ملا آپ نے مرکز کو نہیں چھوڑا اور اُس کے ظلم کو برداشت کرتے رہے۔ جب آپ نے دیکھا کہ مکہ میں رہنا ناقابل برداشت ہو گیا ہے تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا تم کسی اَور جگہ چلے جاؤ جہاں دین کے بارہ میں ظلم نہ ہو اور تم امن سے خدا تعالیٰ کا نام لے سکو۔ صحابہؓ نے آپ سے پوچھا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہ کونسی جگہ ہے؟ آپ نے حبشہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا وہاں عیسائیوں کی حکومت ہے اگر تم وہاں چلے جاؤ تو تم پر دین کے بارہ میں سختی نہیں ہوگی۔[2] صحابہؓ نے کہا یارسول اللہ! اگر ہم حبشہ کی طرف چلے جائیں تو آپ کا کیا حال ہوگا؟ آپ نے فرمایا میرے لیے مکہ کو چھوڑنے کا حکم نہیں۔ آپ جانتے تھے کہ حبشہ میں مرکز نہیں بن سکتا اس لیے آپ نے مکہ نہیں چھوڑا جب تک کہ آپؐ کو خدا تعالیٰ کا حکم نہ ملا اور جب تک تقدیر الٰہی نے ایک نیا مرکز آپ کے لیے تجویز نہ کر دیا۔ جس طرح مجھے قبل از وقت ایک نئے مرکز کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے دے دی تھی۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے ظلم کو برداشت کیا، وہاں کی سختیوں کو جھیلا مگر خدا تعالیٰ نے جب تک نیا مرکز نہ تجویز کر دیا آپؐ نے مکہ نہ چھوڑا۔ چونکہ آپؐ صاحبِ شریعت نبی تھے اور آپؐ کی شریعت میں کوئی وقفہ نہیں پڑنا چاہیے تھا اگر آپؐ کی شریعت میں وقفہ پڑ جاتا تو ایک بہت بڑی خرابی پیدا ہو جاتی اس لیے ضروری تھا کہ آپؐ کے مکہ چھوڑنے اور نیا مرکز ملنے میں وقفہ نہ ہوتا۔ غیر شرعی نبیوں یا ان کے خلفاء کے لیے یہ ضروری نہیں۔

پس ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیے کہ انہیں ابھی ایک تجربہ ہوا ہے۔ قادیان کے چُھوٹ جانے کا صدمہ لازماً طبیعتوں پر ہوا ہے۔ میری طبیعت پر بھی اس صدمہ کا اثر ہے لیکن میں نے جب قادیان چھوڑا یہ عہد کر لیا تھا کہ میں اس کا غم نہیں کروں گا۔ میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ

میری ایک لڑکی کے ابھی بچہ پیدا ہوا تھا، اس کی تھوڑا ہی عرصہ ہوا شادی ہوئی تھی اور ایک سال کے اندر ہی اس کے بچہ پیدا ہوا تھا، ان کی ماں وفات پا چکی تھی وہ میرے پاس رخصت ہونے کے لیے آئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا خاموش رہو یہ وقت رونے کا نہیں بلکہ یہ وقت کام کا ہے۔ چنانچہ میں نے اس عہد کو سختی سے نبھایا ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا مگر میں سمجھتا ہوں کہ جب میں ایک عزم کر چکا ہوں تو میں اس عزم کو آنسوؤں کے ساتھ کیوں مشتبہ کر دوں؟ ہم اپنے آنسوؤں کو روکیں گے یہاں تک کہ ہم قادیان کو واپس لے لیں۔ چاہے صلح کے ساتھ ہمیں قادیان ملے چاہے جنگ کے ساتھ ہمیں قادیان ملے۔ بہرحال ہم نے اسے واپس لینا ہے۔

میں تھوڑے دن ہوئے کشمیر کے محاذ پر فرقان فورس دیکھنے گیا۔ فرقان فورس والوں نے میرے کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا۔ میں جب وہاں گیا تو ایک جگہ پر ہاتھ دُھلانے کے لیے دو چھوٹے لڑکے کھڑے تھے۔ مجھے بڑا تعجب تھا کہ جس جگہ جاتے ہوئے بڑی عمر والے اور پختہ کار لوگ ہچکچاتے ہیں وہاں یہ چھوٹی عمر کے دونوں بچے آئے ہوئے ہیں اور خوشی سے اپنی ڈیوٹی کو نبھا رہے ہیں۔ وہ دونوں ہاتھ دُھلانے کے لیے وہاں کھڑے تھے۔ چھوٹی عمر میں اتنی بڑی قربانی کرنے کی وجہ سے مجھے ان کا یہ فعل پیارا لگا اور نادانی اور غفلت میں مَیں نے سوال کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے خیال کیا کہ وہ کہیں گے کہ ہم گجرات سے آئے ہیں، جہلم سے آئے ہیں، راولپنڈی سے آئے ہیں یا سیالکوٹ سے آئے ہیں۔ میں ان سے کوئی دوسرا جواب سننے کے لیے تیار نہیں لیکن میں نے جب یہ سوال کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ تو ان دونوں لڑکوں نے بے اختیار کہا ہم قادیان سے آئے ہیں۔ مجھے یہ جواب سننے کی امید نہ تھی۔ اس لیے مجھے اپنی حالت کو سنبھالنے کے لیے بہت زیادہ جدوجہد کی ضرورت پڑی۔ میرے ساتھ اُس وقت رضاکاروں کے نمائندے بھی تھے اور بعض دوسرے افسر بھی۔ میں نے زور سے اپنی زبان دانتوں میں دبا لی۔ میں نے ایسا محسوس کیا کہ اگر میں اپنے آپ کو نہیں روکوں گا تو میری چیخیں نکل جائیں گی۔ کئی غیر احمدی بھی اُس وقت مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ میں نے اُن سے کوئی بات نہیں کی اور میں بات کر ہی نہیں سکا تھا۔ انہوں نے شاید یہ سمجھا ہوگا کہ میں بہت مغرور ہوں اور اُن کے ساتھ بات

کرنا نہیں چاہتا لیکن میں مختصر جواب دے کر اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ بعد جا کر کہیں میری طبیعت سنبھلی اور میں بات کرنے کے قابل ہوا۔

غرض میں نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ میں قادیان کے چُھوٹ جانے پر غم نہیں کروں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں۔ آپ لوگ بھی اپنے تمام جوشوں کو دباتے چلے جائیں۔ خدا تعالیٰ وہ وقت لے آئے گا جب تمہارے دبائے ہوئے جذبات ایک طوفان کی شکل اختیار کریں گے اور وہ طوفان ہر قسم کے خس و خاشاک کو اُڑا کے پرے پھینک دے گا۔ لیکن جب تک وہ مرکز جماعت کو نہیں ملتا سب جماعت کو ایک دوسرے مرکز کی طرف منہ کرنا ہوگا کیونکہ مرکز کے بغیر کوئی جماعت نہیں رہ سکتی۔

پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھیں کہ انہوں نے بے مرکز کے کبھی نہیں رہنا۔ تمہیں ضرور ایک دھکّا لگا ہے لیکن دھکّوں کو سہنے کی عادت بہادر قوموں کو ڈالنی ہی پڑتی ہے اور ایسے دھکّوں کے نقصان دور کرنے کے لیے عمدہ تدابیر اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ایسے موقعوں کے مقابلہ کے لیے ایک تدبیر مرکز بنانے کی ہمارے سامنے رکھی ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں ہم اَور اچھی چیزوں کی نقلیں بناتے ہیں وہاں ہم روحانی مرکز کی نقل بھی بنایا کریں۔ اگر ہم کسی ایک جگہ پر اپنا مرکز نہیں بنائیں گے تو لوگ دینی تعلیم کہاں حاصل کریں گے۔ تم دیکھ لو سید احمد صاحب بریلویؒ کے مرید چند ہزار کے قریب تھے اور ہندوستان میں کئی کروڑ حنفی رہتا تھا۔ ان کروڑوں آدمیوں کو طاقت نہیں ملی لیکن سید احمد صاحب بریلویؒ کے چند ہزار مریدوں نے ایک علیحدہ مرکز بنا دیا۔ جب آپ شہید ہونے لگے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ وہ اپنا ایک مرکز بنائیں۔ آخر انہوں نے دیوبند میں اپنا مرکز بنایا۔ یہ سید احمد صاحب بریلویؒ کے شاگرد ہی تھے جنہوں نے دیوبند میں اپنا مرکز بنایا اور پھر اس کی وجہ سے دیوبندی علماء نے تمام حنفیوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ بعد میں وہ آہستہ آہستہ حنفیت کی طرف مائل ہو گئے لیکن اصل میں وہ اہلحدیث تھے اور صرف مرکزیت کی وجہ سے ہی باقی سب مسلمانوں پر غالب آئے۔

پس تم کبھی بھی شہد کی مکھی کے سبق کو نہ بھولو۔ تم یہ کبھی بھی خیال نہ کرو کہ تم تعداد میں کم ہو یا تم کمزور ہو۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی تمہارا مرکز بنا ہوا ہو۔ تمہارے پاس پہلے بھی مرکز موجود ہیں۔ مکہ،

مدینہ اور قادیان کے مراکز تمہارے پاس پہلے سے موجود ہیں لیکن تم کو ان تینوں کی تمثیل کے طور پر ہر ملک میں اور ہر جگہ اپنے مراکز بنانے چاہییں تا لوگ اپنی زندگیاں وقف کر کے وہاں رہیں اور لوگ ان سے دین سیکھیں اور پھر اسے لوگوں میں پھیلائیں۔تم اگر یہ انتظام کرلو، اگر ہر ضلع والے اپنے ضلع میں ایک مرکز بنالیں اور ہر صوبے والے اپنا مرکز قائم کر لیں اور ہر ملک والے اپنا ایک مرکز بنالیں تو احمدیت کی ترقی یقیناً پہلے سے زیادہ ہو جائے گی۔ ہر ضلع اور ہر ملک میں الگ مرکز نہ ہونے کی وجہ سے احمدیت کو ابھی طاقت حاصل نہیں ہوئی۔ مثلاً لائکپور ہے۔ لائکپور میں مرکز نہ ہونے کی وجہ سے جماعت کو اس ضلع میں طاقت حاصل نہیں ہوئی۔ لائکپور کے بہت ہی کم لڑکوں نے قادیان جا کر دینی تعلیم حاصل کی ہے۔کوئی ہمت والا ایسا ہوگا جس نے اپنا لڑکا وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا ہو۔ یا سرحد والے ہیں۔ہم تھک گئے مگر وہ اپنے بچے دینی تعلیم کے لیے نہیں بھیجتے اور پڑھنے کے معاملہ میں وہ بہت کتراتے ہیں اور بہت ہی کم ایسے لڑکے ہیں جنہوں نے قادیان جا کر دینی تعلیم حاصل کی ہے۔بعض لڑکے وہاں سے آئے بھی تھے لیکن وہ بعد میں بھاگ گئے۔لیکن اگر وہاں کا بھی ایک مرکز بنا دیا جاتا اور کچھ لوگ اپنی زندگیاں وقف کر کے وہاں بیٹھ جاتے تو اِس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگ سینکڑوں کی تعداد میں وہاں آتے اور دینی تعلیم حاصل کرتے۔ اِسی طرح سندھ میں اور بلوچستان میں دو تین مولوی بیٹھ جاتے اور وہ چند طالب علموں کو بُلا کر انہیں دینی مسائل سکھاتے، اُنہیں دوسرے لوگوں سے چندہ کر کے کتابیں حاصل کر دیتے تو اس کا بہت فائدہ ہوتا۔مثلاً اگر وہ پانچ سات طالبعلم تیار کر لیتے تو وہ آگے پچیس تیس طالبعلموں کو پڑھاتے۔ پھر وہ آگے دوسرے لوگوں کو پڑھاتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہاں آج سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمی ایسے ہوتے جو دین کے ماہر ہوتے۔

غرض مرکزیت کا پیدا کرنا نہایت اہم چیز ہے اور میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جدید مرکز کے قیام کے لیے ہر قسم کی کوششیں کریں۔ جب وہ اپنا جدید مرکز قائم کر لیں گے تو پھر صوبہ وار مرکز بنائے جائیں گے اور پھر ضلع وار مرکز بنائے جائیں گے تا مقامی لوگ آسانی کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کر سکیں۔ جب ایک غریب سے غریب آدمی کے دل میں یہ احساس ہوگا کہ اس کا لڑکا گھر آ کر سو جائے گا تو بڑی آسانی کے ساتھ وہ اپنے بچے کو تعلیم دلانے پر رضامند ہو جائے گا۔

اور اگر ہر ملک میں، ہر صوبہ میں، ہر ضلع میں اور ہر شہر میں الگ الگ مرکز بن گئے تو پھر احمدیت کی ترقی اور اسلام کے غلبہ کے آثار پیدا ہو جائیں گے۔ پس شہد کی مکھی کے سبق کو مت بھولو۔ بلکہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرو کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں مکھی سے اس خوبی میں زیادہ اعلیٰ بنایا ہے جو مکھی کے لیے مخصوص ہے"۔ (الفضل 5 جون 1949ء)

---

1 :مسلم کتاب المساجد باب النَّھْیُ عَنْ نَشْدِ الضَّالَّۃِفِی الْمَسْجِدِ (الخ)

2 :السیرۃ الحلبیۃ جلد 1 صفحہ 360 مطبوعہ مصر 1932ء